ہدایت القرآن (قسط نمبر ۲)

مولانا محمد تقی امینی

چنانچہ نماز کے ذریعہ قیام وقعود اور رکوع و سجود میں بندہ اپنی بندگی ظاہر کرتا اور قرآن دُعا اور تسبیحات میں اللہ سے بات چیت کا شرف حاصل کرتا ہے اس بنا پر نماز کو اللہ سے بندگی کا تعلق پیدا کرنے اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کا ذوق پیدا کرنے میں خاص دخل ہے۔

© rasailojaraid.com

نماز سے نہ صرف روح کو سکون حاصل ہوتا اور اس کی ضرورت پوری ہوتی ہے بلکہ اس سے پوری زندگی اثر قبُول کر کے ایک خاص سانچہ میں ڈھلتی ہے۔ بُری باتوں کو چھوڑنے اور سیرت درست کرنے میں مدد ملتی ہے۔

"زکوٰۃ" کے ذریعہ وہ خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جن سے اللہ کے بندوں سے تعلق پیدا ہوتا ان کو نفع پہنچتا ہے مثلاً ایثار و قربانی، ہمدردی و غم خواری اور دوسروں کی حاجت روائی وغیرہ اور وہ برائیاں دور ہوتی ہیں جو بندوں سے تعلق پیدا کرنے اور ان کو نفع پہنچانے کی راہ میں حائل ہوتی ہیں مثلاً مال و دولت کی حرص، دنیا سے محبت، خودغرضی، حق تلفی اور سخت دلی جیسی برائیوں سے نجات حاصل ہوتی ہے، اس طرح زکوٰۃ کو بندوں سے تعلق پیدا کرنے اور اس سلسلے میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کا ذوق پیدا کرنے میں خاص دخل ہے۔

"زکوٰۃ" سے نہ صرف بندوں کی ضرورت پُوری ہوتی ہے۔ بلکہ بندوں کو نفع پہنچانے اور اس راہ سے اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کی تربیت ہوتی ہے۔

نماز و زکوٰۃ اسلامی زندگی کے دو رُخ ہیں ایک اللہ سے تعلق پیدا کرتا ہے اور دوسرا اس کے بندوں سے تعلق جوڑتا ہے، ایک ان خوبیوں کو ابھارتا ہے جو اللہ سے تعلق مضبوط کرتی ہیں اور ان برائیوں کو دبا تا ہے جو اس تعلق کو کمزور کرتی ہیں، دوسرا ان خوبیوں کو ابھارتا ہے جو بندوں سے تعلق کو مضبوط کرتی اور ان برائیوں کو دور کرتا ہے جو اس تعلق کو کمزور کرتی ہیں۔

نماز و زکوٰۃ ایک دوسرے کے لیے اس قدر لازم اور ضروری ہیں کہ اگر ایک پر عمل ہو اور دوسرے پر نہ ہو تو اسلامی زندگی ختم ہو جائے گی اور وہ مقصد فوت ہو جائے گا جس کے لیے اسلام نے

© rasailojaraid.com

جماعتی زندگی پر زور دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ سب ایک دوسرے کے کام آئیں اور ہر موقع پر جس کو جس قسم کی مدد کی ضرورت ہو وہ کریں۔ حضرت ابوبکر صدیق رض کی خلافت کے زمانے میں جب زکوٰۃ کا مسئلہ سامنے آیا تو انہوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان اہمیت کے لحاظ سے کسی قسم کا فرق گوارا نہ کیا اور صاف اعلان کر دیا کہ

وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ۔ (مشکوٰۃ کتاب الزکوٰۃ)

(خدا کی قسم میں ان لوگوں سے ضرور جہاد کروں گا جنہوں نے نماز اور زکوٰۃ کے درمیان فرق کیا (ایک کو ادا کیا اور دوسری میں غفلت سے کام لیا۔)

نماز و زکوٰۃ کے یکساں ضروری ہونے کا اندازہ اس سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن نے دونوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا ہے مثلاً۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَقْرِضُوا اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا۔ (المزمل آیت ۲۰)

نماز قائم کرو (اہتمام کرو) زکوٰۃ دو اور اللہ کو اچھا قرض دو۔

آخری ٹکڑا (اللہ کو اچھا قرض دو) سے ظاہر ہوتا ہے کہ بات صرف زکوٰۃ کی ادائیگی پر نہیں ختم ہوتی ہے بلکہ مقصود اللہ کے بندوں کی ضرورتیں پوری کرنا ہے، اگر زکوٰۃ سے یہ ضرورتیں نہیں پوری ہوتی ہیں تو اس کے علاوہ بھی دینا فرض ہے، اسلامی حکومت (جو لوگوں کی ضرورتیں پوری کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے) اس بات کی مجاز ہے کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی لوگوں سے لے کر بندوں کی ضرورت پوری کرے۔ اگر حکومت نہ ہو اور ضرورت مند لوگ موجود ہوں تو ہر شخص اپنے اپنے دائرہ میں ان کی ضرورت پوری کرنے کا ذمہ دار ہے۔ یہ سب کچھ لفظ "اَقْرِضُوْا" (قرض دو) سے ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں حکم بھی ہے اور رغبت دلانا بھی ہے حکم اس طرح ہے کہ وہ مانگ رہا ہے جسنے دیا ہے اگر کوئی اور مانگتا تو اختیار اور مرضی کی بات ہو سکتی تھی کہ چاہے تو دے اور چاہے نہ دے لیکن دینے والا جب خود مانگے تو پھر اپنی مرضی کی بات ختم ہو جاتی ہے اور اپنا اختیار بھی باقی نہیں رہتا ہے رغبت دلانا اس طرح ہے کہ جو کچھ دے گا اس کی حیثیت قرض کی ہے اور وہ بھی اچھے قرض کی کہ جس کے ڈوبنے یا کم ہونے کا ڈر دور دہم بھی ختم ہو جاتا ہے۔

زکوٰۃ سے زندگی میں بہت سی خوبیاں پرورش پاتی ہیں، مثلاً صبر، ہمدردی، غم خواری د

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

قربانی، بے نیازی اور خواہشات پر قابو پانے کی ہمت وغیرہ۔ قرآن نے روزہ کا مقصد "تقویٰ" بیان کیا ہے جو دل کی نیکی اور عمل میں سچائی کا دوسرا نام ہے۔ زندگی میں تقویٰ پیدا کرنے کے بعد جو کام بھی کیا جائے گا وہ نیک دلی اور سچائی کے ساتھ کیا جائے گا۔

تقویٰ کی اصل جگہ دل ہے لیکن اس کے اثرات پوری زندگی میں پھیلے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "سینہ" کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تقویٰ کی جگہ بتائی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا وَاَشَارَ اِلٰی صَدْرِہٖ (مسلم کتاب البر) — تقویٰ اس جگہ ہے آپ نے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔

قرآن میں تقویٰ کے بہت سے اثرات بیان کیے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ سے ڈرنا، برائیوں سے بچنا، نقصان پہنچانے والی چیزوں سے پرہیز کرنا اور سنبھل سنبھل کر زندگی گذارنا وغیرہ۔

© rasailojaraid.com

حضرت عمرؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ دونوں صحابیوں کی گفتگو سے زندگی میں تقویٰ کے اثرات نہایت عمدہ طریقے سے سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا "مَا التَّقْوٰی" (تقویٰ کیا ہے؟) جواب دیا "اما سلکت طریقا ذا شوک" (کیا آپ خاردار راستہ میں نہیں چلے) حضرت عمرؓ نے کہا "ہاں" چلا ہوں) ابی بن کعبؓ نے پوچھا ماذا فعلت (اس وقت آپ نے کیا کیا) جواب دیا "شمرت واجتہدت" (دامن سمیٹ لیا اور کوشش کر کے نکل گیا۔) ابی بن کعبؓ نے فرمایا "فذلک التقویٰ" (بس یہی تقویٰ ہے) یعنی زندگی کی راہوں میں نفس و شیطان نے بہت سے کانٹے بچھا دیئے ہیں۔ خاردار جھاڑیاں کھڑی کر دی ہیں ان کانٹوں اور جھاڑیوں سے بچ کر زندگی گذارنے کا نام تقویٰ ہے۔

زندگی میں "تقویٰ" پیدا ہونے کے بعد اللہ کے ساتھ "چالاکی" کا رویہ ختم ہو جاتا ہے اور اللہ کی اطاعت و فرماں برداری اس وقت بھی باقی رہتی ہے جبکہ اپنے فائدے اور غرض کو قربان کرنا پڑے، اسی طرح تقویٰ پیدا ہونے کے بعد ان چیزوں میں بھی اپنا حساب لیا جاتا ہے جن میں آسانی سے شرعی عذر تلاش کر کے اپنے آپ کو چھوٹ دی جا سکتی ہے۔

"حج" کو اللہ سے محبت کا رشتہ مضبوط کرنے میں خاص دخل ہے، یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ جب محبوب کی محبت میں اس کی زیارت کا شوق ہوتا ہے تو اس کی طرف جن چیزوں کی نسبت ہے۔ ان کی زیارت کا بھی شوق ہوتا ہے، خانہ کعبہ کی نسبت چونکہ اللہ کی طرف ہے اور اللہ بندہ کا محبوب ہے اس لیے محبوب کی طرف نسبت میں اس کی زیارت کا مشتاق بنانے کے لیے کافی ہے پھر ایسی صورت

© rasailojaraid.com

میں یہ شوق اور زیادہ بڑھ جاتا ہے جبکہ محبوب اپنی طرف نسبت کی ہوئی چیزوں کی زیارت میں اجر و انعام کا وعدہ کرے اور ان کی زیارت کو اپنی رضامندی حاصل ہونے کا ذریعہ قرار دے۔

"حج" میں خانہ کعبہ کی زیارت کے علاوہ ان "یادگاروں" سے بھی تعلق قائم ہوتا ہے جو اللہ سے بے پناہ محبت اور اس کی راہ میں اعلیٰ درجہ کی قربانی پیش کرنے کے نتیجہ میں ظاہر ہوئی ہیں، خانہ کعبہ کا طواف، صفا و مروہ کی دوڑ اور حجرِ اسود کے پاس اللہ سے دعا و مناجات وغیرہ۔ حج کا کون سا کام ایسا ہے جو عشق و محبت میں ڈوبا ہوا نہ ہو۔

"حج" میں اللہ کے ان بندوں سے بھی تعلق قائم ہوتا ہے جنھوں نے اللہ کی محبت اور اس کی مرضی میں اپنے کو فنا کر دیا ہے پھر اللہ کے جلووں کی چمک کے آگے ان کی کوئی چیز نہ باقی رہی۔ جن لوگوں کو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی زندگی کے واقعات معلوم ہیں وہ جانتے ہیں کہ ان بزرگوں نے کس کس طرح اللہ کی محبت و مرضی میں اپنے کو فنا کیا ہے۔ ان سے اور ان کی یادگاروں سے تعلق، اللہ سے عشق و محبت پیدا کرنے میں "اکسیر" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس طرح یہ پانچوں ارکان صرف عبادت ہی نہیں بلکہ پوری زندگی کو عبادت کے رنگ میں رنگنے والے ہیں اس رنگ کے بعد زندگی میں یکجہتی پیدا ہو جاتی ہے اور کوئی کاروبار و مشغلہ ایسا نہیں رہ جاتا ہے کہ جس کا رشتہ اللہ سے نہ جڑا ہو جو کام خالص دنیا کے سمجھے جاتے ہیں جیسے شادی بیاہ خرید و فروخت، سائنس و ٹیکنالوجی وغیرہ وہ بھی اللہ سے رشتہ جوڑ کر دین میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور ان میں مشغولیت بھی عبادت کے وسیع دائرہ میں آجاتی ہے پھر دین و دنیا کی "دورنگی" ختم ہو جاتی ہے اور ہر کاروبار و مشغلہ میں صرف ایک رنگ رہ جاتا ہے اور وہ ہے اللہ کا رنگ۔

دین و دنیا کی دورنگی چھوڑ کر ایک رنگ میں آجانا کوئی آسان کام نہیں ہے، مکر و فریب کی اس دنیا میں یہ کام اللہ کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا، اس لیے بندہ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ (ہم آپ ہی سے مدد مانگتے ہیں) میں استعانت کے معنی مدد مانگنا ہے جس طرح عبادت کا تعلق پوری زندگی سے ہے، اسی طرح استعانت کا تعلق بھی پوری زندگی سے ہے، جس طرح عبادت صرف اللہ کی ہے اسی طرح استعانت (مدد مانگنا) بھی صرف اللہ سے ہے یعنی زندگی کے تمام حالات و معاملات اور کاروبار و مشغلہ میں ہم صرف اللہ سے مدد مانگتے ہیں۔

اللہ کی عبادت اور اس سے مدد مانگنے کا اعلان نَعْبُدُكَ اور نَسْتَعِیْنُكَ (ہم آپ کی عبادت کرتے ہیں آپ سے مدد مانگتے ہیں) سے بھی ہو سکتا تھا۔ لیکن اس میں دوسروں کی عبادت

©rasailojaraid.com
©rasailojaraid.com

اور دوسروں سے مدد مانگنے سے انکار نہیں پایا جاتا ہے جبکہ مقصود دوسروں کی عبادت اور مدد مانگنے سے انکار بھی ہے لفظ اِیَّاكَ (آپ ہی سے) اس بنا پر لایا گیا کہ عبادت و مدد مانگنا صرف اللہ کی ذات سے خاص ہو جائے، کسی اور سے دونوں کا تعلق نہ باقی رہے، عربی زبان میں "كَ" کے بجائے اِیَّاكَ اسی جگہ لایا جاتا ہے جہاں ایک کے لیے کوئی بات خاص کرنی ہوتی ہے اور سب سے انکار مقصود ہوتا ہے، اس کے لیے اردو زبان میں لفظ "ہی" اور "صرف" لایا جاتا ہے، اسی بنا پر ترجمہ میں لفظ "ہی" یا "صرف" بڑھانا ضروری ہے جس کے بغیر ترجمہ صحیح نہیں ہوتا ہے۔

آیت میں صرف ایک کے اعلان اور سب سے انکار کے بعد اب بندہ کے پاس نہ (اللہ کے سوا کسی کو کچھ دینے کے لیے رہ جاتا ہے اور نہ اللہ کے سوا) کسی سے کچھ لینے کے لیے رہ جاتا ہے دینے کی چیز عبادت (جس کے دائرہ میں پوری زندگی آجاتی ہے) ہے جو صرف اللہ کو دیتا ہے اور لینے کی چیز مدد ہے (وہ بھی رحمت کی مدد جس کے دائرہ سے کوئی چیز باہر نہیں ہے) جو صرف اللہ سے مانگتا ہے۔

اوپر کی آیتوں میں اللہ کا تعارف اس کی پروردگاری، رحم و کرم اور عقل و انصاف کی نسبت سے ہے اس آیت (اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ) میں انسان کا تعارف اس کے دینے اور لینے (عبادت و استعانت) کی نسبت سے ہے کسی کی پہچان کے لیے "دینا اور لینا" بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ کوئی شخص کسی کو کیا دیتا اور کس طرح دیتا ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص کسی سے کیا لیتا اور کس طرح لیتا ہے؟ ان دونوں سے انسان کی عظمت و بڑائی اور اس کی قدر و منزلت کا "پیمانہ" مقرر ہوتا ہے دینے اور لینے کا تعلق جب اللہ سے خاص ہو گیا تو سب کی آقائی ختم ہو کر صرف اللہ کی آقائی رہ گئی اور سب کی غلامی سے دست برداری ہو کر صرف اللہ کی غلامی باقی رہی۔

یہ آیت دراصل انسان کی آزادی کا خود اس کی زبانی سب سے بڑا اعلان ہے جو کتاب الٰہی کے سب سے پہلے سبق میں کرایا جاتا ہے اور جس کے بعد ذہنی و فکری، ظاہری و باطنی ہر قسم کی غلامی کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ اس اعلان کے ذریعہ انسان کی زندگی میں سب سے بڑا انقلاب وجود میں آتا ہے جو توحید (ہر طرح اللہ کو ایک ماننا اور سمجھنا) کا عقیدہ اپنے ساتھ لاتا ہے اور ایمان لاتے ہی اس انقلاب سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کا اثر زندگی میں یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دورنگی ختم ہو کر اس میں یک رنگی پیدا ہو جاتی اور مخلوق سے مرعوبیت ختم ہو کر ہر گوشہ میں اللہ کی رضامندی مقصود بن جاتی ہے، پھر بندہ کی ہر حرکت و عمل سے یہ صدا آنے لگتی ہے۔ اِلٰهِیْ اَنْتَ مَطْلُوْبِیْ وَرِضَاكَ مَقْصُوْدِیْ

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

(اے میرے اللہ آپ میرے مطلوب ہیں اور آپ کی رضامندی میرا مقصود ہے)

زندگی کے حالات و معاملات اور کاروبار و مشغلہ میں انسان کی اسی آزادی کا اعلان حضرت عمرؓ نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

متی استعبدتم الناس وقد ولدتهم امهاتهم احرارًا

تم نے لوگوں کو غلام کب سے بنالیا حالانکہ ان کی ماؤں نے ان کو آزاد پیدا کیا ہے۔

(تاریخ عمر ابن جوزی)

اور زندگی میں اس انقلاب کا پیغام حضرت ربعی بن عامرؓ نے اس وقت بھی پہنچایا تھا جب کہ وہ ایرانی جرنیل رستم کے پاس سفیر بن کر گئے تھے اور ان سے سوال کیا گیا تھا تم کیوں آئے ہو تو رستم سے جواب میں فرمایا۔

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الاديان الى عدل الاسلام۔

(البدایہ والنہایہ ج۔ ابن کثیر)

اللہ نے ہم کو اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اللہ جسکو چاہے" اس کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی کی طرف لے آئیں، دنیا کی تنگی سے رہائی دے کر اس کی وسعت کی طرف لے آئیں اور مذہبوں کے ظلم وستم سے نجات دے کر اسلام کے عدل وانصاف کی طرف لے آئیں۔

بات صرف اپنی آزادی پر نہیں ختم ہوتی بلکہ دوسروں کو آزاد کرانے کی ذمہ داری تک جاتی ہے، یہ آزادی کی دنیا غلامی کی دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے، اس دنیا میں رہنماؤں، پیشواؤں کی غلامی ان کے مذہب کی وہم پرستی، بیجا سختی، ناقابل عمل پابندی اور گروہ بندی وغیرہ نہیں ہیں جو دل ودماغ کو کچل دیتی اور انسانیت کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتی ہیں۔ اس قسم کی باتیں ہر بگڑے ہوئے مذہب میں رواج پاجاتی ہیں جن کی بنا پر مذہب خود ظالم و آزادی کا دشمن قرار پاتا ہے۔ حضرت ربعی بن عامرؓ نے اپنے زمانہ کے مختلف مذاہب میں یہ ظلم وستم دیکھے تھے جس کی بنا پر فرمایا کہ اللہ نے ہم کو ظلم سے نجات دہندہ بنا کر بھیجا ہے اور اسلام کے عدل وانصاف کا داعی بنایا ہے۔

اس موقع پر عامیانہ سطح کا ایک شبہ دور کر دینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر انسان چھوٹے بڑے کام کے لیے دوسرے سے مدد لیتا ہے یہاں تک کہ عبادت میں بھی دوسرے

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کی تعلیم و تربیت سے مدد لی جاتی ہے۔ پھر مذکورہ ٹکڑا (اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ــــ ہم آپ سے مدد مانگتے ہیں) میں ہر مدد سے انکار نہ صرف واقعہ کے خلاف ہوگا بلکہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں انسان بے کار ہو کر رہ جائے گا اور دنیا کا کاروبار ٹھپ ہو جائے گا۔

کہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں مدد سے انکار میں وہ مدد مراد نہ ہوگی جو ایک انسان دوسرے انسان سے لیتا یا مانگتا ہے بلکہ وہ مدد مراد ہوگی جو اس سے اونچی ہوتی ہے، اس کے بعد ہوتی اور اس وقت مانگی جاتی ہے جب کہ انسانی مدد کے مواقع نہیں حاصل ہوتے یا مواقع تو حاصل ہوتے ہیں لیکن ان میں ناکامی ہوتی ہے جیسے بزرگوں کی روحوں، ان کی تصویروں، ان کے مجسموں یا ان کے نام کے بتوں سے یہ سمجھ کر مدد مانگی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے کام میں دخیل بن کر کام کرا سکتے ہیں۔

بلاشبہ اللہ کی مدد سب سے بڑی مدد اور اس کا سہارا سب سے بڑا سہارا ہے جس کو ہر بندہ تسلیم کرتا ہے (اور اللہ کے ماننے والے ہمیشہ اس کو تسلیم کرتے رہے ہیں) لیکن اس مدد اور سہارے کو حاصل کرنے کے لیے بھی بطور وسیلہ اور ذریعہ بڑے اور بزرگوں سے ان کے انتقال کے بعد مدد مانگتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اللہ کا دربار بھی بادشاہوں اور عہدہ داروں جیسا ہے کہ جس طرح ان لوگوں کے یہاں وسیلہ اور ذریعہ کے بغیر کام نہیں ہوتا ہے اسی طرح اللہ کے یہاں بھی وسیلہ اور ذریعہ کے بغیر کام نہیں چلتا ہے اس کے لیے ان بڑوں اور بزرگوں کو موزوں ترین سمجھا جاتا ہے جن کے کارہائے نمایاں سے لوگ واقف ہوتے ہیں اور جن کی مدد سے زندگی میں لوگوں کے کام بنتے رہے ہیں۔ انہیں کو انتقال کے بعد اللہ کے اختیار و تصرف میں دخیل مان کر وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، معمولی لوگوں کو نہ زندگی میں اہمیت دی جاتی ہے۔ اور نہ مرنے کے بعد کوئی اہمیت دینے کے لیے تیار ہوتا ہے۔

یہ "مدد" جن کاموں میں مانگی جاتی ہے اگر یہ کام ہو گئے تو کام ہو جانا حق اور جائز ہونے کی دلیل قرار پاتا ہے حالاں کہ کام ہونا نہ ہونا کسی بات کے حق و ناحق یا جائز و ناجائز ہونے کی دلیل کبھی نہیں رہا اگر یہ دلیل مان لی جائے تو جس طرح بڑے اور بزرگوں سے مدد مانگنے کے بغیر کام ہوتے نظر آتے ہیں اسی طرح بتوں سے مدد مانگنے کے بعد بھی کام ہوتے نظر آتے ہیں، پھر ان لوگوں کے بھی کام ہوتے ہیں جو سرے سے اللہ ہی کو نہیں مانتے ہیں اگر کام ہونے نہ ہونے کو حق و ناحق اور جائز و ناجائز کی دلیل مانا گیا تو بڑوں اور بزرگوں کی بات دور رہی خود اللہ کو ماننے کی بات خطرے میں پڑ جائے گی، پھر

باقی ص ۴۳ پر

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com